# اصلاحِ عقیدہ و

# فکرِ آخرت

تالیف

**احمد مشاھد حفیظ صدیقی**

شائع کردہ

**مدرسہ ابوالخیر، مسجدِ منظور**

**اسلام آباد کالونی، گلبرگہ**

# پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّی عَلَی رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، أَمَّا بَعْدُ،**

**وَ مَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (سورة يس، ١٧)**

اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر (پیغام) پہنچا دینا ہے۔

یہ رسالہ، **اصلاحِ عقیدہ وفکرِ آخیرت** کچھ حساس مضامین اور تحقیقی ابواب کا مختصر مجموعہ ہے۔ یہ ایک ایسی فکری و اصلاحی دعوت ہے جس کا مقصد انسان کو اپنی زندگی کے حقیقی مقصد سے روشناس کرانا، اس کے زاوی نگاہ کو دنیا کی محدود فکر سے نکال کر آخرت کی ابدی کامیابی کی طرف متوجہ کرنا، اور اسے ایک متوازن، باشعور اور وسیع النظر اسلامی فکر عطا کرنا ہے۔

آج کا انسان مادّیت، رسم و رواج، شخصیت پرستی اور اندھی تقلید کے دبیز پردوں میں اس قدر الجھ چکا ہے کہ اس کی توجہ زندگی کے اصل نصب العین سے ہٹتی جا رہی ہے۔ دینِ اسلام انسان کو نہ صرف عبادات کا راستہ دکھاتا ہے بلکہ فکر، عقیدہ، عمل اور طرزِ زندگی میں اعتدال، بصیرت اور خالص توحید کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں شامل موضوعات کو محض روایتی انداز میں نہیں بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں تحقیقی، اصلاحی اور فکری انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب کے ابواب میں انسانی زندگی کے بنیادی مقصد پر گفتگو کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ دنیا عارضی قیام گاہ ہے جبکہ اصل کامیابی آخرت کی نجات اور اللہ کی رضا ہے۔ اسی طرح قبر پرستی، شخصیت پرستی اور ایصالِ ثواب کے باب میں پائی جانے والی افراط و تفریط کا علمی جائزہ لیا گیا ہے تاکہ دین کے نام پر پیدا ہونے والے غلو، جذباتیت اور غیر شرعی تصورات کو قرآن و حدیث کے معیار پر پرکھا جا سکے۔



مرحومین کے نام پر عبادات کی ادائیگی کے مسئلے میں شرعی حدود، جواز اور ناجائز غلو کے درمیان فرق کو واضح کرنے کی سعی کی گئی ہے تاکہ مسلمان دین میں اعتدال اور احتیاط کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ مزید برآں بدعت اور تکبّر کے باہمی تعلق پر گفتگو کرتے ہوئے اس حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے کہ انسان جب اپنی خواہش، رائے یا شخصیت کو حق پر مقدم کرنے لگتا ہے تو وہ آہستہ آہستہ بدعت اور گمراہی کی راہوں میں داخل ہو جاتا ہے۔

کتاب کے آخری ابواب میں حوضِ کوثر جیسی عظیم نعمت کا تذکرہ، اہلِ ایمان کے لیے امید، بشارت اور آخرت کی کامیابی کے تصور کو تازہ کرتا ہے، تاکہ مومن دنیا کی مشکلات، آزمائشوں اور فتنوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رحمت اور آخرت کی نعمتوں پر کامل یقین کے ساتھ زندگی گزارے۔

اس کتاب کی بنیادی غرض یہ ہے کہ مسلمان اپنی زندگی کو محض دنیاوی مفادات، رسوم اور جذباتی وابستگیوں تک محدود نہ رکھیں بلکہ اپنی فکر کو آخرت کی جوابدہی، توحیدِ خالص، اتباعِ سنت اور وسیع النظر امید و بصیرت کے ساتھ استوار کریں۔ ایک ایسا مثبت اور حقیقت پسندانہ طرزِ فکر اپنائیں جس میں دنیا کی زندگی بھی سنور جائے اور آخرت کی کامیابی بھی نصیب ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو خالص اپنی رضا کے لیے قبول فرمائے، اسے حق کی معرفت، اصلاحِ عقیدہ و عمل اور امتِ مسلمہ کے لیے خیر و ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

۲۰، ذوالقعدہ ۱۴۴۷ھ م ۸، مئی ۲۰۲۶ء

گلبرگہ شریف

## انسان کی زندگی کا بنیادی مقصد

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسان کو اس کی تخلیق کا مقصد، زندگی کے حقیقی مفہوم اور کامیابی کے درست راستے سے آگاہ کرتا ہے۔ اسلام محض ایک مذہبی شناخت کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل دستور و قاعدہِ وجود ہے جس میں عقیدہ، عبادات، اخلاق، معاملات اور معاشرت کے ہر پہلو کی رہنمائی موجود ہے۔ ایک مسلمان کی اصل پہچان اس کا نام یا نسب نہیں بلکہ اس کی عملی وابستگی ہے۔ یعنی وہ اللہ کے احکام کا پابند ہو، رسولِ اکرم ﷺ کی سنت کی پیروی کرے، اور دین کی حفاظت و اشاعت میں اپنا کردار ادا کرے۔ آج کے دور میں سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مسلمان اپنی اس بنیادی ذمہ داری کو سمجھیں کہ اسلام کے ساتھ وفاداری کا تقاضا کیا ہے، اور وہ کس طرح اپنی زندگی کو قرآن و حدیث کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔

انسان کی زندگی کا بنیادی مقصد اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے۔ یہی بندگی انسان کو دنیا وآخرت کی کامیابی تک پہنچاتی ہے۔ قرآنِ کریم میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ،

**وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (سورة الذاريات ۵۶)**

اللہ تعالیٰ نے جن و انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا

عبادت کا مفہوم صرف نماز، روزہ یا دیگر ظاہری اعمال تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک مکمل طرزِ زندگی ہے جس میں انسان کے ہر عمل میں اللہ کی رضا شامل ہو۔ ایک مسلمان کی زندگی کا اصل ہدف یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے قول وفعل، نیت اور کردار کو اس طرح ڈھالے کہ وہ اللہ کے احکامات کے مطابق ہو اور اس کی رضا حاصل کر سکے۔



اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی ایک آزمائش ہے جس میں انسان کو مختلف حالات، مشکلات اور آسانیوں کے ذریعے آزمایا جاتا ہے۔ قرآن بار بار اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ دنیا کی زندگی کے مقابلے اصل آخرت کی کامیابی ہے۔

**وَمَا هٰذِهِ الحَيٰوةُ الدُّنيَا اِلَّا لَهوٌ وَّ لَعِبٌ وَ اِنَّ الدَّارَ الاٰخِرَةَ لَهِيَ الحَيَوَانُ لَو كَانُوا يَعلَمُونَ (سورة العنكبوت ۶۴)**

اور دنیا کی یہ زندگی تو محض کھیل تماشا ہے البتہ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے، کاش! یہ جانتے ہوتے

قرآن کی اس آیتِ مبارکہ پر تدبر کرتے ہوئے انسان کو چاہیے کہ وہ صبر، شکر اور تقویٰ کو اپناتے ہوئے اپنی زندگی گزارے۔ نیک اعمال، دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک، عدل و انصاف اور سچائی جیسے اوصاف اپنانا اس دنیاوی زندگی کی آزمائش میں کامیابی کے اہم ذرائع ہیں۔ ایک مومن کو ہر حال میں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اس کے اعمال کا حساب ہوگا اور وہ اللہ کے حضور جواب دہ ہے۔ مزید ہمیں یہ بات سمجھنا چاہئے کہ عبادت دراصل ہر وہ عمل ہے جو خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے اور اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کیا جائے۔ چنانچہ سچ بولنا، امانت داری، والدین کی خدمت، عدل وانصاف قائم کرنا یہ اعمال بھی عبادت میں شامل ہیں اگر ان کی نیت اللہ کی خوشنودی ہو۔ اسلام میں عبادت کی قبولیت کے دو بنیادی اصول ہیں،

۱۔ **اخلاص** (نیت کی درستگی) ـــ یعنی عمل صرف اللہ کے لیے ہو۔
۲۔ **اتباعِ سنت** (طریقہ درست ہونا) ـــ یعنی عمل وہی ہو جو نبی کریم ﷺ نے سکھایا۔

اگر کوئی عمل بظاہر نیک ہو مگر اس میں اخلاص نہ ہو، تو وہ اللہ کے نزدیک مقبول نہیں۔ اسی طرح اگر نیت اچھی ہو مگر طریقہ نبی ﷺ کے تعلیمات کے خلاف ہو، تب بھی وہ عبادت قابلِ قبول نہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو چیز دل کو اچھی لگے یا روحانیت کا احساس دلائے، وہ عبادت ہے۔ حالانکہ یہ تصور باطل ہے۔ عبادت وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مقرر فرمائی ہو۔ اپنی طرف سے نئے طریقے، عمل، اذکار، یا مخصوص رسمیں ایجاد کرنا دراصل دین کے اصول میں مداخلت ہے۔ یہ نادانی انسان کو انجانے طور پر ایسے سنگین گناہ تک لے جاتی ہے جس کی دشواری کا اسے احساس بھی نہیں ہے۔

سنن دارمی (حدیث ۲۱۰) میں روایت ہے کہ حضرت عمر بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دروازے پر صبح کی نماز سے پہلے بیٹھتے تھے، جب آپ باہر تشریف لاتے تو ہم آپ کے ساتھ مسجد کی طرف جاتے۔ ہمارے پاس حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آئے تو انہوں نے کہا، ''ابوعبدالرحمٰنؓ (یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کنیت تھی) ابھی باہر نہیں آئے؟'' ہم نے کہا، ''نہیں۔'' پھر وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے، حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ باہر آئے۔ جب وہ باہر آئے تو ہم سب ان کی طرف کھڑے ہوئے، ان سے حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا، ''اے ابوعبدالرحمٰنؓ! میں نے مسجد میں ابھی ایک کام دیکھا ہے، وہ مجھے برا معلوم ہوا اور اللہ کا شکر ہے کہ میں نے بہتر ہی دیکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا، ''وہ کیا ہے؟'' حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا، ''میں نے ایک جماعت کو حلقوں کی شکل میں مسجد میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ ہر حلقہ میں ایک آدمی ہے اور ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں وہ کہتا ہے، سو بار **اللہ اکبر** پڑھو تو وہ سو بار **اللہ اکبر** پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے، سو بار **لا الہ الا اللہ** پڑھو تو وہ سو بار **لا الہ الا اللہ** پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے، سو بار **سبحان اللہ** کہو تو وہ سو بار **سبحان اللہ** کہتے ہیں۔'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا، ''پھر تو نے ان سے کیا کہا؟'' حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا، ''میں



نے آپ کی رائے کا انتظار کرتے ہوئے اور آپ کے کام کا انتظار کرتے ہوئے ان سے کچھ نہیں کہا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا، ''کیا تم نے انہیں حکم نہیں دیا تھا کہ وہ اپنی برائیوں کو شمار کریں؟ اور ان کو ضمانت دینا تھی اس طرح سے نہ گننے سے ان کی نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی۔'' پھر وہ چلے اور ہم بھی آپ کے ساتھ چلے۔ حتیٰ کہ آپ ان حلقوں میں سے ایک کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا، ''یہ کیا ہے، جو میں تمہیں کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟'' مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے کہا، ''اے ابوعبداللہؓ، ہم ان کنکریوں کے ساتھ **اللہ اکبر**، **لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ** کو شمار کرتے ہیں۔'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا، ''اپنی برائیوں کو شمار کرو۔'' میں ضامن ہوں کہ نہ گننے سے تمہاری نیکیوں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی۔ اے محمد ﷺ کی امت! تم پر افسوس ہے کہ تم کتنی جلدی ہلاک ہو رہے ہو۔ تمہارے نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہ ابھی کثرت سے موجود ہیں اور آپ ﷺ کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور ان کے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یا تو تم ایسے (بدعت والے) طریقے پر ہو جس میں محمد ﷺ کے طریقہ سے زیادہ ہدایت ہے یا تم نے گمراہی کا دروازہ کھولا ہوا ہے''۔ انہوں نے کہا، ''اے ابوعبدالرحمٰنؓ، اللہ کی قسم! ہم نے تو صرف بھلائی کا ارادہ کیا تھا۔'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا، ''بہت سے لوگ نیکی کا ارادہ کرتے ہیں مگر انہیں نیکی حاصل نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا، ''ایک قوم قرآن پڑھے گی جو ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا۔ اور اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا شاید کہ ان کے اکثر تم سے ہی ہوں۔'' پھر آپ ان کے پاس سے واپس آئے۔ عمرو بن سلمۃ کہتے ہیں ''ہم نے ان حلقوں کے تمام لوگوں کو دیکھا وہ جنگِ نہروان کے دن خارجیوں کے ساتھ مل کر ہمارے (حضرت علیؓ کے) خلاف کھڑے تھے۔''

اس واقعہ سے صحابہ کرامؓ کی دین کے معاملے میں غیر معمولی حساسیت، سنتِ نبوی ﷺ سے گہری وابستگی، اورعبادات میں کامل احتیاط واضح طور پر سامنے آتی ہے۔غور طلب بات یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگ بظاہر اللہ کا ذکر ہی کر رہے تھے، کلمات بھی درست تھے، نیت بھی نیکی کی تھی، لیکن چونکہ وہ طریقہ رسول اللہ ﷺ اور صحاب کرامؓ سے ثابت نہیں تھا، اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صحابہؓ کے نزدیک عبادت صرف اچھے مقصد کا نام نہیں بلکہ صحیح طریقہ بھی اتنا ہی ضروری تھا۔ یہ روایت امت کے لئے ایک بہت بڑا اصول متعین کرتی ہے کہ عبادت میں اصل معیار جذبات، تعداد، بلند آواز، یا اجتماعی انداز نہیں بلکہ سنتِ رسول ﷺ کی موافقت ہے۔ نیکی وہی معتبر ہے جو اخلاص کے ساتھ ساتھ سنت کے مطابق بھی ہو۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور جلال کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی حتیٰ کہ ایسا لگتا جیسے آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں، فرما رہے ہیں کہ وہ (لشکر) صبح یا شام (تک) تمھیں آ لے گا اور فرماتے ”میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں“ اور آپ اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر دکھاتے اور فرماتے ”(حمد و صلاۃ) کے بعد، بلاشبہ بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور زندگی کا بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہِ زندگی ہے اور (دین میں) بدترین کام وہ ہیں جو خود نکالے گئے ہوں اور ہر نیا نکالا ہوا کام گمراہی ہے۔“ (صحیح مسلم ۲۰۰۵)

الغرض اسلامی تعلیمات کی رو سے عبادت وہی معتبر اور مقبول ہے جو رسول ﷺ کے ذریعے ہمیں سکھائی گئی ہو۔ نبی کریم ﷺ نہ صرف آخری نبی ہیں بلکہ وہی واحد ہستی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دین کی مکمل تشریح اور عملی نمونہ پیش کرنے کے لیے مقرر فرمایا۔ قرآن مجید میں واضح حکم ہے کہ،



**وَ مَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورة الحشر ۵۹)**

جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ

مگر آج افسوسناک پہلو یہ ہے کہ کچھ مسلمان دین کو اپنی ذاتی پسند کے مطابق ڈھالنے لگے ہیں۔ کبھی عبادات میں نئے عملیات شامل کر لئے جاتے ہیں، کبھی مخصوص ایام اور راتوں کو خود ساختہ فضیلت دے دی جاتی ہے، اور پھر اہتمام کی تلقین کے ساتھ اسے انجام دیا جاتا ہے، گویا دین کوئی ***customizable package*** ہو جسے ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق جیسا چاہے ویسا توڑ مروڑ کرتا پھرے۔ استغفراللہ۔

مزید افسوس اور تشویش کی بات یہ ہے کہ یہی گمراہی کی طرزِ فکر نئی نسل میں منتقل ہو رہی ہے۔ نوجوان جب اپنے بڑوں کو دین کے متعلق ایسے لاپرواہی میں مشغول دیکھتے ہیں تو وہ یہی سمجھتے ہیں کہ دین اور عبادت کے اراکین میں ہر کوئی اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق ترمیم یا تبدیل کر سکتا ہے۔ اس طرح آہستہ آہستہ سنت پسِ پشت چلی جاتی ہے اور گمراہی خاموشی سے بے شعور ماحول بنا لیتی ہے، نتیجتاً دین کی اصل روح مسخ ہو جاتی ہے۔

اس بات کو بار بار دہرانا ضروری ہے کہ اسلام میں عبادت کی بنیاد صرف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع پر ہے۔ حقیقی عبادت وہی ہے جو نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق انجام دی جائے، کیونکہ آپ ﷺ ہی اللہ کے مقرر کردہ رہبر اور اس کے دین کے عملی شارح ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی طرف سے عبادت کے نئے طریقے گھڑ لے، تو وہ درحقیقت عبادت نہیں بلکہ شریعت میں مداخلت ہے، جو ایک نہایت سنگین جرم ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ واضح طور پر ارشاد فرماتے ہیں،

**قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ (سورة آل عمران ۳۱)**

کہہ دیجیے، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری (اللہ کے رسول ﷺ کی) پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا

یہ آیت اس حقیقت کو دوٹوک انداز میں بیان کرتی ہے کہ اللہ کی محبت اور اس کی رضا صرف اتباعِ رسول ﷺ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، نہ کہ خود ساختہ عبادات کے ذریعے۔ جو لوگ اپنی مرضی کے مطابق عبادت کے طریقے ایجاد کرتے ہیں، وہ بظاہر دین کی خدمت کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر دراصل وہ اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات کو ادنی یا ادھورا یا ناکافی سمجھنے کا تاثر دیتے ہیں۔ گویا (نعوذ باللہ) وہ یہ کہنا چاہتے ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا باب مکمل طور پر امت پر عیاں نہیں کیا (استغفر للہ)، اس لیے یہ کم عقل خود پرست حضرات، خود نما الہام اور تنگ نظری اجتہاد سے، اسلام کی تعلیمات اور عبادات میں اضافی اعراب کی گنجائش پیش کرتے ہیں۔ یہ طرزِ فکر درحقیقت عبادت نہیں بلکہ رسول ﷺ کی شان میں ایک ناقابلِ برداشت گستاخی ہے۔ اسی اثنا میں ایسے خرد ماغ لوگ یہ بکواس کرتے ہیں کہ انکے ایجاد کئے ہوئے عمل اصل میں ترزِ معارفت ہے جس سے روحانی تسکین حاصل ہوتی ہے مگر یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے ناخواندہ لوگ اپنی حماقتوں سے محض دھوکے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ،

**اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَ رَضِيۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا**

**(سورة المائدة ۳)**

آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضا مند ہو گیا۔



یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ دین کے تمام اصول، احکام اور عبادات کے ابواب مکمل طور پر نازل اور بیان کر دئے گئے ہیں، اب دین میں کوئی بھی نئے عمل یا نظریات یا ترمیم کی بلکل بھی گنجایش نہیں۔ مسلمان کو اس بات کا خیال رہنا چاہئے کہ ہر وہ عمل جو اُس کو بندگی کے طور پر اچھا لگے، ضروری نہیں کہ وہ عبادت ہو۔ عبادت کا معیار احساس یا جذبات نہیں بلکہ احکامِ الٰہی ہے۔ اگر صرف دل کے جذبات کو معیار بنا لیا جائے، تو عقیدے کے مطابق ہر شخص اپنا الگ دین، الگ فرقہ بنا لے گا، اور زمانہ گواہ ہے کہ یہی چیز مختلف مذاہب کے وجود کا سبب بنی۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنا خطبہ یوں شروع فرماتے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرماتے جو اللہ تعالیٰ کی شان گرامی کے لائق ہے، پھر فرماتے؛ ”جسے اللہ تعالیٰ راہ راست پر لے آئے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، اسے کوئی راہ راست پر لانے والا نہیں۔ بلاشبہ سب سے زیادہ سچی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور بدترین کام وہ ہیں جو (شریعت میں) اپنی طرف سے جاری کیا گیا۔ ہر ایسا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں لے جائے گی۔“ (سنن نسائی ۱۵۷۹)

افسوس کی بات یہ ہے کہ آج بہت سے لوگ دین کو سنجیدگی سے سمجھنے کے بجائے اسے اپنی خواہشات کے تابع بنا چکے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ چند جذباتی اعمال، چند خود ساختہ رسومات، اور چند روحانی تجربات انہیں اللہ کے قریب کر دیں گے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ رویہ نہ صرف خود کو گمراہ کرتا ہے بلکہ تقلیدی فطرت کے سبب دوسروں کے لیے بھی گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ عبادت صرف وہی ہے جو نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے، چاہے وہ کتنا ہی خوبصورت، پُر اثر یا دل کو بھانے والا کیوں نہ ہو، وہ دین نہیں بلکہ

انسان کی اپنی اختراع ہے اور ایسی اختراعات کا انجام سوائے نقصان اور آخرت کی پکڑ کے کچھ نہیں۔ اسی سیاق میں فرمانِ خدا جو نہایت اہم اخلاقی، اعتقادی اور عملی ہدایات پر مشتمل ہے جو ایک مسلمان کی پوری عملی زندگی کا رخ متعین کرتی ہے،

**یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ (سورۃ الحجرات ۱)**

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو

**یٰاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اَطِیعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیعُوا الرَّسُولَ وَ لَا تُبطِلُوا اَعمَالَکُم**

**(سورۃ محمد ۳۳)**

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔

قرآن مجید کی یہ آیتیں واضح اور فیصلہ کن پیغام دیتی ہیں کہ ایمان کا تقاضا صرف زبانی اقرار نہیں بلکہ اطاعتِ کاملہ ہے۔ یہ آیتیں مسلمانوں کو ایک بنیادی اصول سکھاتی ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقابلے میں اپنی رائے، خواہش یا فیصلہ کو ترجیح نہ دینا۔ یہی اسلام کی اصل روح اور بندگی کا تقاضا ہے۔ یہ محض ایک حکم نہیں بلکہ طرزِ عبادت کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ آج کے دور میں جہاں ہر شخص اپنی ناقص رائے اور خام نظریات کو حق سمجھتا ہے، دین کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہے، دل کو اچھا لگنے والا عمل عبادت سمجھ لیا جاتا ہے، وہاں یہ آیت ہمیں سختی سے متنبہ کرتی ہے کہ عبادت وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتائی ہے، نہ کہ وہ جو ہمیں اچھی لگے۔



اسلام کے ساتھ وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنی زندگی کے ہر شعبے میں قرآن اور حدیث کو معیار بنائے۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا، میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم ان کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے، ہرگز گمراہ نہیں ہو گے: اللہ کی کتاب اور میری سنت۔ (المستدرک حاکم ۳۱۸)

یہ حدیث ہماری واضح طور پر رہنمائی کرتی ہے کہ ہدایت کا راستہ صرف انہی دو مصادر میں ہے۔ جو شخص ان سے ہٹ کر اپنی رائے، رسم و رواج یا معاشرتی دباؤ کو ترجیح دیتا ہے، وہ درحقیقت اپنی ذمہ داری سے غافل ہو رہا ہے۔

حضرت عرباض رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک دن نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف منہ کر لیا اور وعظ فرمایا، بڑا ہی بلیغ اور جامع وعظ، ایسا کہ اس سے ہماری آنکھیں بہہ پڑیں اور دل دہل گئے۔ ایک کہنے والے نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ تو گویا الوداعی وعظ تھا، تو آپ ﷺ ہمیں کیا وصیت فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رہنا اور اپنے حکام کے احکام سننا اور ماننا، خواہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ بلاشبہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا وہ بہت اختلاف دیکھے گا، چنانچہ ان حالات میں میری سنت اور میرے خلفاء کی سنت اپنائے رکھنا، خلفاء جو اصحاب رشد و ہدایت ہیں، سنت کو خوب مضبوطی سے تھامنا، بلکہ داڑھوں سے پکڑے رہنا، نئی نئی بدعات و اختراعات سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا، بلاشبہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (سنن ابوداود ۴۶۰۷)

جب دین میں غیر ثابت شدہ رسومات اور خودساختہ طریقے شامل ہو جائیں جن کی اصل دین میں موجود نہیں ہے تو ویسے عمل کو اسلامی اصطلاح میں "**بدعت**" کہا جاتا ہے۔ بدعت سے مراد "**دین**" میں کوئی ایسی نئی بات یا عمل داخل کرنا ہے جس کی بنیاد قرآن وسنت میں موجود نہ ہو، اور جسے عبادت یا دین کا حصہ سمجھ کر اختیار کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے دین میں نئی باتیں ایجاد کرنے سے سختی سے منع فرمایا اور اسے گمراہی قرار دیا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسا کام جاری کیا، جو کہ اس میں نہیں وہ مردود ہے۔ (متفق علیہ، مشکات المصابیح ۱۴۰)

بدعت بظاہر نیکی کا لبادہ اوڑھے ہوتی ہے، مگر حقیقت میں یہ سنت سے انحراف ہے۔ جب انسان اپنی طرف سے دین میں تبدیلیاں کرنے لگتا ہے تو وہ اصل تعلیمات کو مسخ کر دیتا ہے اور ایک ایسا راستہ اختیار کر لیتا ہے جو اسے سیدھی راہ سے بھٹکا دیتا ہے۔

بدعت کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، جیسے عبادات میں اضافہ یا کمی کرنا، ایسے مخصوص طریقے ایجاد کرنا جو شریعت میں مقرر نہیں، یا کسی عمل کو لازم اور باعثِ ثواب سمجھ لینا جس کی کوئی اصل نہ ہو۔ اکثر و بیشتر یہ بدعات ثواب کے ارادے سے کیے جاتے ہیں، مگر چونکہ ان کی بنیاد صحیح تعلیمات پر نہیں ہوتی، اس لیے وہ دین میں قابلِ قبول نہیں ہوتیں۔ علماء نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے عقائد اور اعمال کو قرآن وسنت کی روشنی میں پرکھے، اور دین کو اسی طرح اپنائے جس طرح نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اسے سمجھا اور اس پر عمل کیا، تاکہ وہ گمراہی اور بدعت سے محفوظ رہ سکے۔



بدعت کے تناظر میں آج کے بہت سے مسلمانوں کا طرزِ فکر نہایت تشویشناک صورت اختیار کر چکا ہے۔ بدعت کے تصور کو غلط سمجھنے کی ایک بڑی وجہ لوگوں کا وہ ذہن ہے جو دین کو علم اور دلیل کی بنیاد پر نہیں بلکہ جذبات، روایت اور معاشرتی دباؤ کے تحت سمجھتا ہے۔ اکثریت اس بات کو نظرانداز کر دیتی ہے کہ دینِ اسلام مکمل ہو چکا ہے اور اس میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ کرنا دراصل اس کی تکمیل پر سوال اٹھانے کے مترادف ہے۔ اس کے متعلق معتبر دلائل اوپر گزر چکے ہیں۔ بہت سے لوگ لفظ **بدعت** کا سرے سے انکار بھی کرتے ہیں گویا یہ ایک بے بنیاد اور گستاخ اصطلاح ہے، مگر پچھلے صفحات پر گزرے کئی احادیث کی تابداری میں یہ روشن چاند کی طرح عیاں ہے کہ بدعت ایک سنگین گناہ ہے جو کہ غیر شستہ عمل ہے اور حقیقت میں وہی لوگ اسے انجام دیتے ہیں جو سنت کے دشمن اور اپنے نبی کے غدّار ہیں۔ اسی جہالت کی اثنا میں اکثر مسلمان بدعت کے مسئلے پر غیر سنجیدہ اور بے بنیاد مثالیں پیش کرتے ہیں، جیسے دنیاوی ایجادات (مثلاً گاڑیاں، ہوائی جہاز، فون، مساجد میں سپیکرز، خالین، پنکھے یا جدید ٹیکنالوجی) کو بدعت کے ساتھ جوڑ دینا، حالانکہ یہ چیزیں دین یا عبادت کا حصہ نہیں بلکہ دنیاوی معاملات اور دین کے *support* سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس طرح کے دلائل دراصل بدعت کے اصل مفہوم سے توجہ ہٹانے کی کوشش ہوتے ہیں۔ **بدعت کا تعلق صرف اور صرف دین، عقیدہ اور عبادات سے ہے، نہ کہ دنیاوی سہولیات یا ترقی سے۔** مگر چونکہ بہت سے لوگ اس بنیادی فرق کو نہیں سمجھتے یا نہیں سمجھنا چاہتے، اور بدعت کا انکار کرتے ہیں، اس لیے وہ غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر دین میں نئے رسومات اور عملیات کو جائز قرار دینے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

مزید برآں، صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل بھی ہمارے لیے ایک معیار ہے، کیونکہ انہوں نے دین کو براہِ راست نبی کریم ﷺ سے سیکھا اور اسی کے مطابق اپنی زندگیاں گزاریں۔ اگر کوئی عمل آج کے دور میں جس پر اختلاف ہے، واقعی نیکی اور ثواب کا ذریعہ ہوتا تو صحابہ کرامؓ ضرور اس پر عمل کرتے، کیونکہ وہ سب سے

زیادہ دین کو سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے تھے۔ لہٰذا جو عمل نہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو اور نہ ہی صحابہؓ سے، اسے عبادت قرار دینا دراصل دین کے حدوں سے تجاوز کرنا ہے، جو کہ نظامِ اسلام میں قابلِ قبول نہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے کہ اسلام میں عبادت کا اصول توقیفی ہے، یعنی عبادت صرف وہی ہے جس کی اجازت اور تعلیم اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دی ہو۔ اس کے علاوہ کوئی بھی عمل، چاہے وہ بظاہر کتنا ہی اچھا کیوں نہ لگے، اگر وہ سنت سے ثابت نہیں تو وہ عبادت نہیں بلکہ بدعت کے زمرے میں آتا ہے، اور اس سے اجتناب کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

بدعت کا ایک اور سنگین نقصان یہ ہے کہ ایسے افراد کو توبہ کی توفیق بھی نہیں ملتی کیونکہ وہ اپنے عمل پر مطمئین رہتا ہے اور اس عمل کا غلط ہونے کے خیال سے بھی بے فکر رہتا ہے۔ جب گناہ کو نیکی سمجھا جائے تو رجوع کا ارادہ بھی نہیں بنتا اور توبہ کا دروازکھلا رہنے کے باوجود رحمتِ الٰہی سے مہروم رہتا ہے، جو کہ ہلاکت کی علامت ہے۔



## قبر پرستی، شخصیت پرستی، ایصالِ ثواب کے باب میں تحقیقی جائزہ

جیسے کہ اوپر حدیث گزر چکی ہے جو یہ واضح کرتی ہے کہ دین میں خودساختہ اعمال کی کوئی حیثیت نہیں۔ شخصیت پرستی بھی اسی بدعت کی ایک شکل ہے، جہاں کسی پیر، عالم، بزرگ یا اپنے آبا واجداد کی اندھی تقلید کی جاتی ہے، یہاں تک کہ اُن کی بات کو قرآن وسنت پر فوقیت دی جاتی ہے۔ ایک مشہور مقولہ ہے کہ شخصیت پرستی ایسی حماقت ہے جس میں ایک نسل کی جہالت، دوسرے نسل کیے لئے روایت بنتی ہے اور پھر تیسرے نسل کا عقیدہ بن جاتی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بہت خوب فرمایا کہ، قبولِ حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ آباواجداد کی اندھی تقلید اور گڑھی ہوئی بزرگیوں اور روایتی عظمتوں کی پرستش ہے۔ ابتدا میں جہل وفساد کی وجہ سے کوئی عقیدہ گڑھ لیا جاتا ہے، پھر ایک مدت تک لوگ اسے مانتے رہتے ہیں۔ پھر جب ایک عرصے کے بعد اعتقاد سے اس میں شانِ تقدس پیدا ہو جاتی ہے تو اسے شک و شبہ سے بالاتر سمجھنے لگتے ہیں اور عقل وبصیرت کی کوئی دلیل بھی اس کے خلاف تسلیم نہیں کرتے۔

اگرچہ یہ بات عام فہم اور سادہ منطق سے بآسانی سمجھی جاسکتی ہے، لیکن ہٹ دھرمی، ضدی مزاج اور متکبرانہ رویّے کی وجہ سے لوگ مستند دلائل کے باوجود حق کو قبول نہیں کرتے، بلکہ اپنے خودساختہ، بے بنیاد اور مغالطہ آمیز اصولوں پر اَڑے رہتے ہیں۔

اسلام میں اہلِ علم اور صالحین بزرگوار کا مقام اپنی جگہ مسلّم ہے۔ قرآن میں اہلِ علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اور حدیث میں علماء کو انبیاء کا وارث کہا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہے کہ اتباع صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے۔ استاد کی عزت کی جائے گی، لیکن اس کی ہر بات کو بلا دلیل

قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر کسی بزرگ یا پیر کی طرف کوئی ایسا عمل منسوب کیا جائے جو قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو، تو اسے محض بزرگی یا نسبت کی بنیاد پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وہ احترام اور اطاعت کا نازک فرق ہے جسے سمجھ کر حدود کا لحاظ ضروری ہے۔ احترام ہر عالم کا کیا جائے گا، لیکن اطاعت صرف رسول ﷺ کی ہوگی۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے جس کا مفہوم یہ کہ ہر شخص کی بات مشکوک بھی ہو سکتی ہے اور مقبول بھی، مگر اس جہاں میں واحد ہستی، رسول اللہ ﷺ کا ہر قول معتبر، مستند اور حرفِ آخر ہے۔

اسلام کی اساس توحیدِ خالص پر قائم ہے، جہاں عبادت، استعانت اور امید وخوف کا مرکز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ تاہم عملی سطح پر بعض ایسے رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں جو بظاہر دین اور محبتِ صالحین کے نام پر ہوتے ہیں، مگر در حقیقت وہ توحید کی خوبصورتی کو متاثر کرتے ہیں۔ قبر پرستی اور شخصیت پرستی کے ساتھ ایک تیسرا پہلو بھی جنم لیتا ہے جسے مرحوم پرستی کہا جا سکتا ہے—یعنی فوت شدگان کے ساتھ ایسا جذباتی تعلق قائم کرنا جس میں دینی حدود سے تجاوز ہونے لگے، اور ایصالِ ثواب کے نام پر نئے نظریات واعمال ایجاد ہو جائیں۔

اسلام کی اصولی نصوص کی روشنی میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام میں میت کے لیے دعا، استغفار اور صدقہ وغیرہ کا تصور تو موجود ہے، مگر اس کے دائرے کو جذباتی بنیاد پر اس قدر وسیع کر دینا کہ ہر خودساختہ طریقہ ایصالِ ثواب کہلائے، یہ محلِ نظر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین اعمال کے (وہ منقطع نہیں ہوتے)، صدقہ جاریہ، نفع بخش علم اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔ (صحیح مسلم ۴۲۲۳)



یہ حدیث ایصالِ ثواب کے اصل اور مشروع ذرائع کو متعین کرتی ہے۔ مگر جب مرحوم پرستی کا جذبہ غالب آتا ہے تو انسان ان متعین حدود سے آگے بڑھ کر نئے طریقے ایجاد کرنے لگتا ہے جیسے کہ مخصوص دنوں کی محفلیں، ہفتہ واری فاتحہ خوانی، چالیسواں، سالانہ عرس کی رسومات، اذکار و وظائف کا ذخیرہ، اجتماعی کھانے، قربانیاں، پھولوں کا نظرانہ، مخمل کی چادریں، سنگِ مرمر کی پختہ قبریں، نقاشی کے کتبے وغیرہ جنہیں لازم سمجھا جائے اور جو نہ قرآن میں ثابت ہوں نہ سنت میں۔ اسی طرح یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض حلقوں میں ایصالِ ثواب ایک سماجی دباؤ اور نمائشی عمل بن چکا ہے۔ بڑے بڑے اجتماعات، کھانے، اور اخراجات کا اہتمام لازم سمجھا جاتا ہے، گویا یہ دین کا حصہ ہوں۔ اس طرزِ عمل میں اخلاص کی جگہ ریاکاری اور سنت کی جگہ معاشرتی توقعات لے لیتی ہیں۔ نتیجتاً اصل مقصد یعنی میت کے لیے دعا اور مغفرت کی طلب پسِ پشت چلے جاتی ہے۔

یہاں ایک نازک نفسیاتی پہلو بھی قابلِ غور ہے۔ انسان اپنے مرحوم عزیز سے محبت کے باعث کچھ کرنا چاہتا ہے، اور یہی جذبہ اگر رسنت کی رہنمائی سے خالی ہو تو بدعت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یوں ایک خالص دینی عمل (دعا اور صدقہ) آہستہ آہستہ رسومات اور غیر ثابتہ اعمال میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اسلام اعتدال کا دین ہے، وہ نہ تو میت کو بالکل فراموش کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور نہ اس کے ساتھ ایسا تعلق قائم کرنے کی اجازت دیتا ہے جو شرعی حدود سے تجاوز کرے۔ صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ میت کے لیے کثرت سے دعا کی جائے، صدقہ کیا جائے اور اگر اس کے ذمہ کوئی حق باقی ہو تو اسے ادا کیا جائے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ دلیل کا محتاج ہے۔ ذخیرۂ احادیث اور سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ہمیں ایسے کوئی مواقع رسول اللہ ﷺ سے آشکار نہیں ہوتے جس میں آپ ﷺ نے کبھی کسی میت میں یا قبرستان میں کوئی خاص روِش کا اہتمام کیا ہو یا حکم دیا ہو سوائے دعاِ مغفرت کے۔

حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں، جب وہ قبرستان جانے کا ارادہ کرتے تو رسول اللہ ﷺ انہیں یہ دعا سکھایا کرتے تھے۔ **السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ نَسْأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ** (مومن اور مسلمان گھر والوں پر سلامتی ہو، اگر اللہ نے چاہا تو ہم تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں، ہم اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے عافیت طلب کرتے ہیں)۔(مشکاۃ المصابیح ۱۷۶۴)

قبر پرستی کی عقیدت ایک ایسی گمراہی اور بدعت کا مرکز بن چکی ہے کہ اس سے عقیدۂ توحید اور ایمان کے جزبے میں بگاڑ کا ظہور ہو رہا ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے آخری لمحات میں جو تاکید اور تنبیہ فرمائی تھی، افسوس کہ آج ان کے نام لیوا اسی کج روی میں، فریضہ اور وفاداری سمجھ کر مغالطے میں ملوث ہیں۔

حضرت جندبؓ نے کہا، میں نے نبی ﷺ کو آپ کی وفات سے پانچ دن پہلے یہ کہتے ہوئے سنا، خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا کرتے تھے، خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنانا، میں تم کو اس سے روکتا ہوں۔(صحیح مسلم ۱۱۸۸)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے (اس بات سے) منع فرمایا کہ قبر پر چونا لگایا جائے اور اس پر بیٹھا جائے (آرام کے لئے بھی منع ہے اور مجاور بن کر بیٹھنا بھی منع ہے) اور اس پر عمارت بنائی جائے (یعنی قبر پر کوئی تعمیری کام نہ ہو)۔(صحیح مسلم ۲۲۴۵)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا، اللہ کے رسول ﷺ نے قبر پر کوئی چیز لکھنے سے منع فرمایا ہے۔(سنن ابن ماجہ ۱۵۶۳)



آجکل مسلمان کے معاشرتی ذہن کو مدِّنظر رکھتے ہوئے مندرجہ بالا احادیث ایک حیرت انگیز تاثر پیش کرتے ہیں جو ہمارے عادات، نظریات اور عقیدے کے خلاف ہیں۔ یہ احکامِ رسول ﷺ ہمارے ایمان کا امتحان لیتی ہیں۔ قبروں کے متعلق ہمارے عقائد صرف بدعت نہیں بلکہ سرے سے خلافِ شریعت ہیں جس کے سبب ہم اللہ کے سخت پکڑ میں گرفتار ہو سکتے ہیں اور یہ موزوں موقع ہے کہ ہم اپنے پچھلے کئے گئے قبروں کے متعلق گناہ اور باطل نظریات پر توبہ کریں اور اللہ کی طرف رجوع ہوں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے آمین۔

نتیجتاً، یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرحوم پرستی دراصل جذباتیت پر مبنی ایک ایسا گمراہ کن رجحان ہے جو اگر علم اور سنت کے تابع نہ رہے تو بدعت، غلو اور اکثر اوقات شرک تک لے جاتا ہے۔ اس کا حل یہی ہے کہ ایصالِ ثواب کے باب میں وہی طریقے اختیار کیے جائیں اور وہی حدود کا پاس رکھیں جو شریعت نے مقرر فرمایا ہے، اور دین میں ہر نئے عمل کو دلیل کی کسوٹی پر پرکھیں۔

## مرحومین کے نام پر عبادات کی ادائیگی، شرعی حدود، جواز اور غلو کی قباحت

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ انسان کی اصل ذمہ داری اپنی ذات، اپنے اعمال اور اپنی آخرت کی فکر کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کرنا ہے۔قرآن وسنت بار بار اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن ہر شخص کو اپنے ہی عمل کا حساب دینا ہوگا۔اسی کے ساتھ مسلمان کے مسلمان پر حقوق بھی ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا، چنانچہ ارشاد ہے کہ،
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کی میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں (۱) سلام کا جواب دینا، (۲) مریض کا مزاج معلوم کرنا، (۳) جنازے کے ساتھ چلنا، (۴) دعوت قبول کرنا، اور (۵) چھینک کا جواب دینا۔ (صحیح بخاری ۱۲۴۰)

اس حدیث سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ بتائے گئے مسلمان کے حقوق اکثر دعا ہیں (سلام کا جواب، جنازے میں شرکت سے میت کیلئے دعا اور یہاں تک کہ چھینک کے جواب میں دعا)۔اسی اثنا میں ایصالِ ثواب بھی حقیقت میں مرحومین کے لئے دعاِ مغفرت ہے۔یہ ایک ایسا عمل ہے جس کو اللہ تعالی نے مومنین کی نشانی بیان فرمایا ہے اور یہاں بھی اپنے مومن بھائی کے لئے دعا کی تلقین فرمائی ہے،

**وَ الَّذِینَ جَآئُو مِن بَعدِھِم یَقُولُونَ رَبَّنَا اغفِر لَنَا وَ لِاِخوَانِنَا الَّذِینَ سَبَقُونَا بِالاِیمَانِ وَ لَا تَجعَل فِی قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِینَ اٰمَنُوا رَبَّنَا اِنَّکَ رَئُوفٌ رَّحِیمٌ (سورۃ الحشر ۱۰)**



اور جو ان کے بعد آئے، وہ دعا کرتے ہیں کہ، اے ہمارے رب! ہم کو بھی بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش جنہوں نے ایمان لانے میں ہم پر سبقت کی اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کیلئے کینہ نہ پیدا ہونے دے۔اے ہمارے رب! بیشک تو نہایت شفیق ومہربان ہے۔

ایصالِ ثواب کے مسئلے میں اعتدال اور صحیح فہم ضروری ہے۔اسلامی تعلیمات میں میت کے لئے دعا، صدقہ یا نیک اعمال کے ذریعے اللہ سے رحمت کی دعا کرنا ایک معروف عمل ہے۔اولاد کی دعا، صدقہ جاریہ یا کسی نیک کام کے ذریعے میت کے لئے مغفرت کی دعا کرنا احادیث سے ثابت ہے۔لیکن اس تصور کو اس حد تک بڑھا دینا کہ گویا کسی شخص کے تمام اعمال، عبادات یا ذمہ داریاں مکمل طور پر کسی دوسرے کے کھاتے میں منتقل ہو جائیں، یہ قرآن کے عمومی اصولِ جوابدہی کے خلاف سوچ ہے۔اسلام انسان کو اپنی عملی ذمہ داری سے غافل نہیں کرتا بلکہ اسے اپنے عمل کی فکر سکھاتا ہے۔

آج معاشرے میں اکثریت کی توجہ فوت شدگان کے نام پر رسومات، مخصوص عبادات یا مسلسل ایصالِ ثواب پر ہی منحصر ہے، جبکہ مسلمان کی زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالی کی رضا، اس کی عبادت، دین کی تبلیغ، اپنی اصلاح اور نیک اعمال میں ہونا چاہیئے جس پر کوئی توجہ ہی نہیں۔میت کے لئے دعا کرنا ہمدردی اور خیر خواہی ہے، مگر کوئی شخص اپنی پوری زندگی صرف دوسروں کے لئے ایصالِ ثواب کے اہتمام میں گزار دے لیکن اپنی اصلاح، فرائض اور اللہ کے احکام سے غافل رہے تو یہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔کامیاب وہی ہے جو اپنے اعمال پر اللہ سے ڈرے اور دنیا کی مہلت کو اپنی نجات کا ذریعہ بنائے۔

اسلامی شریعت میں عبادات کی بنیاد توقیف (یعنی وحی پر موقوف ہونا) ہے۔ ہر عبادت اپنی اصل، کیفیت اور مقدار کے اعتبار سے وہی معتبر ہوتی ہے جو قرآن وسنت سے ثابت ہو۔فوت شدگان کے

لیے خیر خواہی، دعا اور نفع رسانی کا باب ضرور موجود ہے، لیکن اس کے دائرے کو ایسے طریقوں تک پھیلا دینا جو نصوصِ شرعیہ سے ثابت نہیں، یہ ایک حساس مسئلہ ہے جس میں توازن اور علمی احتیاط ناگزیر ہے۔ ایصالِ ثواب کے موضوع کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن وسنت کے اصولی مزاج، صحابہ کرامؓ کے تعامل، اور ائمہ فقہ کی آراء کو سامنے رکھ کر ایک متوازن اور تحقیقی جائزہ لیں۔

### ۱۔ فوت شدہ کی طرف سے چھوٹی ہوئی نمازیں ادا کرنا

جب انسان یہ عقیدہ اختیار کر لیتا ہے کہ اُس کی بندگی، خصوصاً نماز جیسی عظیم فرض عبادت، اُس کے مرنے کے بعد کوئی دوسرا شخص ادا کر کے اُس کی ذمہ داری ختم کر سکتا ہے، تو یہ سوچ رفتہ رفتہ دین کی اصل روح کو مجروح کر دیتی ہے۔ اسلام انسان کو اپنی اصلاح، اپنے عمل، اپنی توبہ اور اپنی عبادت کا خود ذمہ دار بناتا ہے۔ اگر نیابتی عبادت کے ایسے خودساختہ تصورات کو عام کر دیا جائے تو پھر انسان کے اندر سے فرض نماز کی اہمیت، جوابدہی کا احساس، اور آخرت کا خوف ختم ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن بار بار انسان کو اس کے ذاتی اعمال کی بنیاد پر پکڑ اور جزا و سزا کی یاد دہانی کراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

**وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ (سورۃ الصافات: ۲۴)**

انہیں روک لیا جائے گا، بے شک ان سے سوال کیا جائے گا

اگر کسی اور کی عبادت انسان کے اپنے فرائض کا بدل بن سکتی، تو پھر یہ انفرادی سوال و جواب اور حساب کا نظام بے معنی رہ جاتا۔ جیسے کہ پچھلے صفحات پر بارہا عرض کیا گیا کہ انسان اپنی عقل یا خواہش سے عبادت کے نئے طریقے ایجاد نہیں کر سکتا، لہٰذا فوت شدہ شخص کی نمازوں کا نیابتی نظام ایجاد کرنا ایک ایسا عمل ہے جس کی کوئی واضح اصل شریعت میں موجود نہیں۔ یہ بدعت کے دروازے کھولتا ہے۔



مزید خطرناک پہلو یہ ہے کہ ایسے نظریات عوام کو گمراہ کن تسلی دیتے ہیں کہ انسان زندگی بھر نمازوں میں غفلت برت لے اور بعد میں کوئی خیر خواہ، ایصال ثواب کے ذریعہ اُس کی کمی پوری کر دے گا۔ یہ تصور تقویٰ، خوفِ خدا اور ذاتی ذمہ داری کے بالکل خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا (سنن ترمذی:۴۱۳)۔ یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ نماز کا حساب ہر شخص سے انفرادی طور پر لیا جائے گا، نہ کہ کسی نمائندے یا نائب کے ذریعے۔

نماز ایک ایسی بدنی عبادتِ محض ہے جس کی ادائیگی ہر مکلّف پر براہِ راست لازم ہے۔ شریعت میں کسی زندہ شخص کے لیے یہ گنجائش نہیں دی گئی کہ وہ دوسرے کی طرف سے فرض نماز ادا کرے۔ فقہی طور پر جمہور اہلِ علم کی رائے یہی ہے کہ نماز نیابت قبول نہیں کرتی۔ بعض اہلِ علم نے یہ رائے دی ہے کہ اگر کسی کے ذمے نمازیں رہ گئی ہوں تو اس کے ورثاء اس کے لیے کثرت سے دعا اور استغفار کریں، یا صدقہ دیں، مگر یہ نہیں کہا گیا کہ کوئی دوسرا اس کی طرف سے نماز ادا کر کے اس فرض کو ساقطِ ذمہ کر دے۔ لہٰذا مرحوم کی قضا نمازیں پڑھنا بطورِ باقاعدہ نظام یا لازم سمجھنا درست نہیں، اور اسے عبادت کے قائم مقام قرار دینا غلو اور بدعت ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اسے ترک کرنا ایسا ہے گویا کفر میں شمار ہونا۔ نماز کو ایک کافر اور مسلمان کے بیچ فرق بتایا گیا ہے۔ اتنی سخت وعید کے بعد یہ گنجائش کیسے ممکن ہے کہ کوئی کسی کی چھوٹی ہوئی نماز کا کفیل بنے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو زندگی میں شعور کے ساتھ وقت عطا فرما کر ایک مقصد کے تحت پابند کیا۔ اب کوئی لاشعوری میں اپنی زندگی کے قیمتی اوقات ضائع کرنے میں ملوث ہو تو کیا اسکے ذمہ حقوق العباد کی ضمانت کسی اور کے سپرد

کرنے سے یا انفرادی اشتراک سے ادا ہو جائیگی؟ اللہ کے رسول ﷺ نے کبھی اس طرح کی اجازت نہیں فرمائی اور نہ یہ اسلامی تعلیمات کے موافق ہے۔ باطل طاویلات اور غلو پر مبنی اجتہاد سے اس طرح کا عمل باعث ندامت اور رسوائی ثابت ہوسکتی ہے۔ لہٰذا نماز کو بلا امتیاز مرحوم کے نام سے ادا کرنا یا نماز کی ادائیگی سے ایصال ثواب کرنا اور اسے لازمی یا افضل سمجھنا ایک غیر محتاط اور غیر مشروع طرزِ عمل ہے۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ نماز چھوڑنے کا شریعت میں کوئی عزر بھی مقبول نہیں ہے، مسلمان کو بانفسِ نفیس ہر حال میں نماز پڑھنا لازم اور فرض ہے، اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔

ایک سادہ مثال سے اس بات کو سمجھنے میں آسانی ہوگی، کہ ذبح کے وقت قربانی کرنے والے شخص کو ہی بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا ہوگا، اس کے بجائے کوئی دوسرا شخص اگر اس کی طرف سے پڑھنا چاہے تو نہ وہ قربانی مقبول ہوگی اور نہ ذبح جائیز ہوگا۔ اسی طرح نماز بھی ایک ذاتی عبادت ہے جسے کسی دوسرے شخص کی طرف سے پڑھنا جائیز نہیں، جب تک شریعت میں اس کی واضح اجازت موجود نہ ہو۔

### ۲۔ مرحوم کے نام پر روزے رکھنا

روزے کے باب میں برائے ایصال ثواب مسئلہ نسبتاً واضح ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے ذمے روزے واجب ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھ دے۔ (صحیح بخاری ۱۹۵۲) اس سے بعض اہلِ علم نے عمومی قضا روزوں پر بھی قیاس کیا ہے، جبکہ دیگر نے اسے نذر تک محدود رکھا ہے۔ اس اختلاف کی روشنی میں محتاط بات یہ ہے کہ، اگر میت کے ذمے نذر کے روزے ہوں تو ان کی ادائیگی کی گنجائش ہے۔ عام قضا روزوں کے معاملے میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف ہے، لہٰذا اسے لازم یا عمومی معمول بنانا درست نہیں۔ اس باب میں سب سے زیادہ متفقہ اور محفوظ عمل یہ ہے کہ میت کی طرف سے فدیہ یا صدقہ دیا جائے، یا اس کے لیے دعا کی جائے۔



### ۳۔ مرحوم کے نام پر قربانی کرنا

قربانی بذاتِ خود ایک عظیم عبادت ہے جو اللہ کے لیے کی جاتی ہے۔ اصل اصول یہ ہے کہ قربانی کا قصد اللہ کے لیے ہو، نہ کہ کسی میت کے نام پر بطورِ مستقل شعار۔ نبی کریم ﷺ سے یہ بات منقول ہے کہ آپ نے اپنی قربانی میں اپنی امت کے ان افراد کو بھی شامل کیا جو قربانی نہ کر سکے۔ اس سے بعض اہلِ علم نے یہ استدلال کیا کہ زندہ شخص اپنی قربانی کے ثواب میں اپنے مرحومین کو شامل کر سکتا ہے۔ تاہم اس کا مطلب یہ بلکل بھی نہیں کہ ہر سال میت کے نام کی الگ قربانی کو لازم سمجھا جائے، یا اسے ایک مستقل دینی رسم بنا لیا جائے۔ یہ بات بھی ذہن نشین کی جائے کہ قربانی سے مراد حج کے مہینے کی قربانی ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی نیت سے مرحومیں کے واسطے قربانی دینا جائیز نہیں ہے۔

### ۴۔ قرآن خوانی اور اس کا ثواب مرحوم کو پہنچانا

قرآنِ مجید صرف ایک کتاب نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے راہنمائی، رحمت، نصیحت اور کامیاب زندگی کا مکمل دستور ہے۔ قرآن انسان کو اس کے خالق کی پہچان کرواتا ہے، حق و باطل میں فرق واضح کرتا ہے اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا راستہ دکھاتا ہے۔ اس میں عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاملات، عدل و انصاف، معاشرت اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے قیادت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں اور یہ متقین کے لئے ہدایت ہے۔

مگر آج کے دَور کا یہ ایک نہایت افسوسناک اور فکر انگیز المیہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے قرآنِ مجید کے اصل مقصد کو پسِ پشت ڈال کر اسے محض ایصالِ ثواب تک محدود کر دیا ہے۔ وہ قرآن جو انسانیت کے لئے چراغِ ہدایت بن کر نازل ہوا تھا، آج اکثر گھروں میں صرف مرحومین کے لئے پڑھا

جانے والا ایک رسمی وظیفہ بن گیا ہے۔ حالانکہ قرآن خود بار بار انسان کو غور وفکر، تدبر، نصیحت اور عمل کی دعوت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایک بابرکت کتاب ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور عقل والے نصیحت حاصل کریں۔ قرآن کا نزول صرف ثواب حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ زندگی کو بدلنے، عقائد کو درست کرنے، اعمال کو سنوارنے اور انسان کو صراطِ مستقیم پر چلانے کے لئے ہوا تھا۔ بدقسمتی سے آج ہمارے معاشرے میں قرآن سے تعلق کا تصور صرف چند مخصوص مواقع تک محدود ہو چکا ہے۔ کسی کے انتقال کے بعد قرآن خوانی کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں، مگر زندہ مسلمان اپنی زندگی میں قرآن کے احکام سے بے خبر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان اخلاقی زوال، فرقہ واریت، بدعات، بے عملی اور دینی کمزوری کا شکار نظر آتا ہے۔ جب قرآن صرف رسم بن جائے اور زندگی کا رہنما نہ رہے تو پھر یہی نتائج سامنے آتے ہیں۔

قرآنِ مجید کی تلاوت یقیناً باعثِ اجر وثواب ہے، اور ہر حرف پر نیکی ملتی ہے، لیکن صرف ثواب تک محدود کر دینا قرآن کے عظیم مقصد کو محدود کر دینا ہے۔ اگر کوئی شخص ساری زندگی قرآن پڑھے مگر اس کے احکام، عقائد، اخلاق اور عبادات کو نہ سمجھے اور نہ اپنی زندگی میں نافذ کرے، تو وہ قرآن کے حق کو فراموش کر رہا ہے۔ جب قرآن ہماری سوچ، کردار، معاملات اور عبادات میں اترے گا تبھی اس کے حقیقی فیوض و برکات حاصل ہوں گے۔ ورنہ محض رسمی تلاوتیں اور ظاہری اہتمام امت کے زوال کو نہیں روک سکتے۔ قرآن قیامت کے دن بعض لوگوں کے حق میں دلیل بنے گا اور بعض کے خلاف حجت۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان قرآن کے ساتھ اپنا تعلق رسمی اور موسمی نہیں بلکہ عملی اور شعوری بنائیں۔

قرآنِ مجید کا سب سے بڑا پیغام توحید، یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا، اور اس کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ یہ انسان کو نیکی، عدل، صبر، شکر، رحم اور تقویٰ کی تعلیم دیتا ہے جبکہ ظلم، فحاشی،



تکبر، حسد اور گناہوں سے روکتا ہے۔ قرآن انسان کو یہ یاد دلاتا ہے کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے اور اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ اسی لئے قرآن بار بار انسان کو اپنے اعمال کا محاسبہ کرنے، توبہ کرنے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

قرآنِ کریم کی بے شمار فضیلتیں ہیں۔ یہ دلوں کو سکون عطا کرتا ہے، روح کی پاکیزگی کا ذریعہ بنتا ہے اور انسان کو گمراہی سے بچاتا ہے۔ اس کی تلاوت پر اجر وثواب ملتا ہے اور اس پر عمل کرنے والا انسان اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ قرآن قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارش کرے گا۔ یہ وہ معجزہ ہے جو قیامت تک محفوظ رہے گا اور جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔

مسلمانوں پر قرآن کے کئی حقوق اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ قرآن پر کامل ایمان رکھا جائے اور اسے اللہ کا سچا کلام مانا جائے۔ اس کے بعد قرآن کی صحیح تلاوت (تجوید) سیکھنا، اسے سمجھنا، اس میں غور وفکر کرنا اور اپنی زندگی میں اس کے احکامات کو نافذ کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ صرف تلاوت کافی نہیں بلکہ قرآن کے پیغام کو عملی زندگی میں اپنانا اصل مقصد ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ قرآن کی تعلیمات کو عام کریں، اپنی اولاد کو قرآن سکھائیں اور ہر معاملے میں قرآن وسنت کو اپنی رہنمائی کا ذریعہ بنائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی عزت، اتحاد، کامیابی اور سربلندی قرآن سے وابستگی میں ہی پوشیدہ ہے۔

مگر افسوس کہ مسلمان قرآن کی فضیلت سمجھنے کے بجائے، اس کے احکام پر تدبر کرنے کے بجائے، اس کے پیغام پر تفکر کے بجائے، اس پر عمل کرنے کے بجائے، اسے سیکھنے کے بجائے، تجوید سے تلاوت کرنے کے بجائے، قران کو صرف اور صرف ایصالِ ثواب کیلئے مخصوص کرلیا ہے۔

## ۵۔مرحوم کی طرف سے حج یا عمرہ کرنا

حج وعمرہ کے باب میں نصوص نسبتاً واضح ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں فرض حج ادا نہ کر سکا، تو اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے اس کی اجازت دی۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حضرت سنان بن سلمہ جہنیؓ سے کہا، رسول اللہ ﷺ سے پوچھیں کہ اس کی ماں (فرض) حج کیے بغیر فوت ہوگئی ہے۔ اگر وہ عورت اپنی ماں کی طرف سے حج کر لے تو وہ اسے کفایت کر جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں۔ اگر اس کی ماں کے ذمے قرض ہوتا اور وہ عورت اس کی طرف سے ادا کر دیتی تو کیا اسے کفایت نہ کرتا؟ اسے چاہیے کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے حج کرے۔“ (سنن نسائی ۲۶۳۴)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ سے اپنے والد کے بارے میں پوچھا جو حج کیے بغیر فوت ہو گیا تھا۔ آپ نے فرمایا، اپنے والد کی طرف سے حج کر لے (سنن نسائی ۲۶۳۵)

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے کہا، اے اللہ کے رسول! میرے والد حج کیے بغیر فوت ہو گئے ہیں، تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ”بتاؤ اگر تمھارے والد پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتے؟“ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ”تو اللہ کا قرض ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے۔“ (سنن نسائی ۲۶۴۰)

## ۶۔مرحومین کے لئے دعائیں

اسلامی تعلیمات میں مرحومین کے لئے دعاِ خیر کرنا ایک نہایت عظیم، باعثِ اجر اور انسانی ہمدردی و وفاداری کا مظہرِ عمل ہے۔ قرآن وسنت سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ زندہ مسلمان اپنے فوت



شدہ والدین، رشتہ داروں، اہلِ ایمان اور پوری امت کے لئے مغفرت، رحمت اور بلندیِ درجات کی دعا کریں۔ احادیثِ مبارکہ میں مرحومین کے لئے دعا کی بڑی تاکید آئی ہے۔ نبی کریم ﷺ جب کسی مسلمان کے جنازے میں شریک ہوتے تو اس کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعائیں فرماتے۔ مزید رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نیک اولاد کی دعا مرحوم والدین کے لئے مسلسل فائدے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی لئے اولاد کو چاہئے کہ وہ اپنے والدین کے لئے بکثرت دعائے مغفرت کرے، ان کے درجات کی بلندی کی دعا مانگے اور ان کے لئے رحمت طلب کرے۔

اسلام مرحومین کو یاد رکھنے، ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنے اور ان کے ساتھ خیر خواہی کے تعلق کو باقی رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ تاہم اصل توجہ اس بات پر ہونی چاہئے کہ انسان خود بھی نیک اعمال کرے، کیونکہ آخرت میں ہر شخص کو اپنے اعمال کا سامنا کرنا ہوگا۔

**رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (سورة الإسراء: ۲۴)**

اے میرے رب! میرے والدین پر رحم فرما، جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا پوسا۔

**رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (سورة إبراهيم، ۴۱)**

اے ہمارے رب! مجھے، میرے والدین کو اور تمام مؤمنوں کو حساب قائم ہونے کے دن بخش دے۔

**رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا (سورة الحشر، ۱۰)**

اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان میں ہم سے پہلے گزر چکے، اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ۔

رَبِّ اَوزِعنِی اَن اَشکُرَ نِعمَتَکَ الَّتِی اَنعَمتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَن اَعمَلَ صَالِحًا تَرضٰہُ وَاَصلِح لِی فِی ذُرِّیَّتِی اِنِّی تُبتُ اِلَیکَ وَاِنِّی مِنَ المُسلِمِینَ (سورة الأحقاف، ۱۵)

اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد کو بھی صالح بنا۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا (سورة الفرقان ،۷۴)

اے ہمارے رب! ہمیں ہمارے اہلِ خانہ اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا پیشوا بنا۔

اللّٰهُمَّ أَصْلِحْ لِی دِینِی وَأَصْلِحْ لِی دُنْیَایَ وَأَصْلِحْ لِی أَهْلِی

اے اللہ! میرے دین کی اصلاح فرما، میری دنیا کی اصلاح فرما اور میرے اہل وعیال کی اصلاح فرما۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیرِنَا وَكَبِیرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا

اے اللہ! ہمارے زندہ اور مردہ، حاضر اور غائب، چھوٹے اور بڑے، مرد اور عورت کی مغفرت فرما۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِینَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِینَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْأَحْیَاءِ مِنْهُمْ وَالْأَمْوَاتِ

اے اللہ! تمام مؤمن مردوں اور عورتوں، مسلمان مردوں اور عورتوں، زندہ اور فوت شدہ کی مغفرت فرما۔

اللّٰهُمَّ أَصْلِحْ أَحْوَالَ الْمُسْلِمِینَ فِی كُلِّ مَكَانٍ

اے اللہ! ہر جگہ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرما۔



اللّٰهُمَّ فَرِّجْ هَمَّ الْمَهْمُومِینَ وَنَفِّسْ كَرْبَ الْمَكْرُوبِینَ

اے اللہ! غم زدہ لوگوں کے غم دور فرما اور مصیبت زدہ لوگوں کی تکلیفیں ختم فرما۔

اللّٰهُمَّ أَعْتِقْ رِقَابَنَا وَرِقَابَ آبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا وَأَزْوَاجِنَا وَأَوْلَادِنَا وَذُرِّیَّاتِنَا وَإِخْوَانِنَا وَأَخَوَاتِنَا مِنَ النَّارِ.

اے اللہ! ہماری گردنوں کو، ہمارے باپوں اور ماؤں کو، ہماری بیویوں کو، ہماری اولاد کو، ہماری نسلوں کو، ہمارے بھائیوں اور بہنوں کو جہنم کی آگ سے آزاد فرما۔

درحقیقت مرحومین کے حق میں سب سے مضبوط، مشروع اور نفع بخش عمل **دعـــا** ہی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کے لیے یہ بہت ہی خوبصورت اور سنت کے مطابق عمل ہے کہ وہ نماز میں تشہد کے بعد اپنے والدین، مرحومین، اساتذہ، رشتہ داروں اور تمام اہلِ ایمان کے لیے دعا کرے۔ یہی حقیقی ایصالِ خیر، محبت، وفاداری اور دینی شعور کا مظہر ہے۔ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ تشہد اور درودِ ابراہیمی کے بعد اپنے لیے، اپنے والدین کے لیے، اہلِ خانہ اور مرحومین کے لیے دعائیں مانگ سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تشہد سکھانے کے بعد فرمایا، پھر وہ بندہ جو دعا چاہے اختیار کرے اور اللہ سے مانگے۔ (صحیح البخاری، ۸۳۵)

اللہ تعالیٰ ہمیں نماز کی حقیقت سمجھنے، اس میں خشوع اختیار کرنے اور اپنے والدین و مرحومین کے لیے کثرت سے دعائیں کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

## بدعت اور تکبّر کا باهمی تعلق

## قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک تحقیقی و اصلاحی جائزہ

جس طرح اسلام نے عبادات، معاملات اور اخلاقیات کے اصول واضح فرمائے، اسی طرح دل کی بیماریوں سے بھی سختی کے ساتھ خبردار کیا۔ان باطنی بیماریوں میں سب سے خطرناک بیماری تکبر ہے۔تکبر وہ مہلک صفت ہے جو انسان کو حق قبول کرنے سے روک دیتی ہے، اسے اپنی عقل، اپنی رائے اور اپنے عمل پر گھمنڈ میں مبتلا کر دیتی ہے، اور یہی بیماری انسان کو بدعت، گمراہی اور ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے۔قرآن وسنت میں تکبر کی شدید مذمت بیان ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

**إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ (سورة النحل: ۲۳)**

بیشک اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

**سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ(سورة الأعراف: ۱۴۶)**

میں اپنی آیات سے اُن لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔

یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ تکبر انسان کے دل کو حق سے محروم کر دیتی ہے۔جب دل میں گھمنڈ آ جائے تو انسان نصیحت قبول نہیں کرتا، دلیل سننا پسند نہیں کرتا اور اپنے نظریات کو دین پر مقدم سمجھنے لگتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے تکبر کی نہایت جامع تعریف بیان فرمائی۔حدیث میں ہے،

تکبر حق کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔(صحیح مسلم،۹۱)

یہ حدیث بتاتی ہے کہ تکبر صرف ظاہری غرور یا مال و دولت پر فخر کا نام نہیں بلکہ اصل تکبر یہ ہے کہ انسان حق بات قبول نہ کرے۔یہی وہ مقام ہے جہاں تکبر کا تعلق بدعت سے جڑ جاتا ہے۔



ہم بدعت کے متعلق اب تک تفصیلی طور پر اس کے مفہوم اور تصورات، پچھلے کئی صفحات پڑھ کر اس کے مضر اثرات سے بخوبی واقف اور آشنا ہو چکے ہیں۔اب یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں اور کہنے میں کوئی شک نہیں ہے کہ بدعت حقیقت میں تکبر کی فصل ہے۔متکبر اور بدعتی شخص ہمیشہ اپنی رائے، اپنے اقوال اور اپنے رواج کو ہر معاملے میں ترجیح دیتا ہے چاہے اس کو قرآن وحدیث سے صحیح بات بتائی بھی جائے تو وہ اسے ماننے کے بجائے شخصی ضد اور مسلکی تعصب پر ہی اڑا رہتا ہے۔بدعت اور تکبّر کے درمیان یہی گہرا تعلق ہے کہ بدعت پر اصرار اکثر تکبّر کی وجہ سے ہی قائم رہتا ہے۔

بدعتی ذہنیت اکثر یہ کہتی ہے کہ "ہماری نیت اچھی ہے"، "یہ تو ادب اور عقیدت کا تقاضہ ہے"، "یہ رواج صدیوں سے چلا آ رہا ہے"۔ جب انہیں نصیحت کے طور پر قرآن اور حدیث پیش کی جائے تو کہتے ہیں کہ، "یہ نئی باتیں تم لوگ کہاں سے ایجاد کر رہے ہو"، "یہ ہمارے مسلک کے خلاف ہے"، "یہ تمہاری غلط تاویل ہے"، الغرض حق کو قبول نہ کرنے کے ڈھیر سارے ڈھکوسلے پیش کرتے ہیں۔ دراصل یہی انکارِ حق ہے جسے نبی ﷺ نے تکبر سے تعبیر فرمایا۔

تکبر کی سب سے پہلی مثال شیطان ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی عقل اور مرضی کو ترجیح دیکر متکبر، کافر اور مردود بن گیا۔یہی بدعت کی اصل جڑ ہے کہ انسان احکامِ الٰہی اور فرمانِ رسول ﷺ کے مقابلے میں اپنی سوچ کو ترجیح دینے لگے۔

**أَبَى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ (سورة البقره ۳۴)**

اس نے انکار کیا، تکبر کیا، اور وہ کافروں میں سے ہوگیا۔

آج معاشرے میں بہت سی بدعات صرف اسی وجہ سے زندہ ہیں کہ لوگ حق قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ کوئی قبر پر ہونے والی رسومات کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں، کوئی خود ساختہ میلاد، فاتحہ یا مخصوص ایصالِ ثواب کی غیر ثابت شکلوں پر سوال برداشت نہیں کرتا، اور کوئی اپنے آباؤ اجداد کے طریقوں کو دین سمجھ بیٹھا ہے۔ جب انہیں حدیث سنائی جاتی ہے تو فوراً غصہ، طنز یا تعصب کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ کیفیت اس بات کی علامت ہے کہ مسئلہ صرف لاعلمی کا نہیں بلکہ دل کے تکبر کا بھی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا (صحیح مسلم، ۹۱)

تکبر محض ایک اخلاقی برائی نہیں بلکہ ایک ایسی روحانی بیماری ہے جو انسان کے ایمان، عبادات، عقیدے، تعلقات اور معاملات کو تباہ کرسکتی ہے۔ یہی بیماری انسان کو بدعت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب تک مسلمان قرآن وسنت کے سامنے عاجزی اختیار نہیں کریں گے، بدعات، رسومات اور گمراہ کن نظریات سے نجات ممکن نہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت منقول ہے جس میں ابتدا میں انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ، جو شخص صبح اس حال میں کرے کہ وہ جنابت کی حالت میں ہو، تو اس کا روزہ نہیں۔ بعد میں جب امہات المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور ام سلمہؓ نے وضاحت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات احتلام کے بغیر جنابت کی حالت میں صبح فرماتے تھے، پھر غسل کرتے اور روزہ مکمل کرتے تھے، تو حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنی سابق رائے سے رجوع فرمالیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی بات واپس لے لی اور امہات المؤمنین کی روایت کو قبول فرمایا۔ (صحیح مسلم، ۱۱۰۹)



یہ واقعہ اس بات کی عظیم مثال ہے کہ صحابہ کرامؓ حق واضح ہو جانے کے بعد فوراً رجوع فرمالیتے تھے، اور اپنی رائے یا فہم کو دین پر مقدم نہیں کرتے تھے۔ یہی علمی دیانت اور اتباعِ سنت کا حقیقی نمونہ ہے۔ اس کے برعکس ہم اپنا طرزِ عمل پر غور کریں، ہم کبھی بھی اپنے خرافات پر مبنی عادتوں کو چھوڑنے تیار نہیں ہوتے چاہے ہمارے سامنے کچھ بھی دلیل پیش کی جائے۔

بدعت اور تکبّر دراصل ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔ بدعت انسان کو دین میں اضافہ کرنے پر آمادہ کرتی ہے، اور تکبّر اسے اس پر قائم رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ حق کو قبول کرنا اور اپنی غلطی مان لینا ہی نجات کا راستہ ہے، جبکہ غرور اور خود پسندی انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے سیاہ دلوں کا محاسبہ کریں، حق بات کو قبول کرنے کی عادت اپنائیں، شیطانی وسوسوں پر مبنی اپنے ضد پر صبر کرنے کی کوشش کریں، اپنے بد اخلاق جزبات کو قابو کرنے کی جدوجہد کریں اور دین کو سنجیدگی سے سمجھیں۔ یہی نجات کا راستہ ہے اور یہی حقیقی بندگی کا تقاضا ہے۔ جب انسان کے اندر عاجزی ہو، اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا جذبہ ہو، تو وہ کبھی اپنی طرف سے دین میں مرضی رائج کرنے کی جسارت نہ کریگا۔

## حوضِ کوثر ، اھلِ ایمان کے لیے عظیم نعمت اور ابدی کامیابی

اسلامی عقائد میں آخرت کے منازل میں سے ایک نہایت عظیم اور باعزت مقام حوضِ کوثر ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو عطا فرمایا۔ یہ حوض قیامت کے دن میدانِ حشر میں ہوگا، جہاں نبی کریم ﷺ اپنی امت کی مہمان نوازی فرمائیں گے۔ جو خوش نصیب اس حوض تک پہنچ کر اس سے سیراب ہو جائیں گے، وہ کبھی پیاس کی تھکان سے دوچار نہیں ہوں گے۔ یہ حوض اہلِ ایمان کے لیے راحت، عزت، ابدی کامیابی اور اللہ و رسول ﷺ کی رضا کی علامت ہوگا۔ اس کے برعکس وہ بدنصیب جو اس حوض سے محروم کردیے جائیں گے، وہ بدقسمتی اور خسارے کا شکار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اپنے محبوب نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

**إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (سورة الكوثر: ۱)**

بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔

مفسرین کے مطابق کوثر سے مراد خیرِ کثیر بھی ہے اور جنت میں ایک عظیم نہر بھی، جس سے حوضِ کوثر وابستہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اس کی وضاحت فرمائی۔

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کوثر جنت میں ایک نہر ہے جو میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم، ۴۰۰)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میرا حوض ایک مہینے کی مسافت کے برابر ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا، اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ عمدہ



ہے۔ اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔ جو اس سے ایک مرتبہ پی لے گا، اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ (صحیح بخاری ۶۵۷۹، صحیح مسلم ۲۲۹۲)

حوضِ کوثر پر حاضری دراصل اس بات کا اعلان ہوگا کہ دنیا میں جس نے ایمان، سنت، تقویٰ اور اطاعتِ رسول ﷺ کے ساتھ زندگی گزاری، وہ آج کامیاب ہوگیا۔ قیامت کے دن جب ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہوگا، اس وقت نبی کریم ﷺ اپنی امت کی میزبانی کے لئے منتظر ہوں گے، **سُبْحَانَ اللّٰهُ وَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهُ !**

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں تم سے پہلے حوض پر پہنچوں گا اور تمہارا انتظار کروں گا۔ (صحیح بخاری ۶۵۸۳)

**اللہ اکبر!** یہ منظر ایک مؤمن کے لیے سب سے بڑی عزت اور انعام ہوگا۔ دنیا کے تمام اعزازات، تمغے اور کامیابیاں ختم ہوجائیں گی، لیکن حوضِ کوثر تک پہنچ جانا وہ عظیم کامیابی ہوگی جو ہمیشہ باقی رہے گی۔ حقیقت میں یہی ***Lifetime Achievement Award*** ہے؛ یعنی ایسی دائمی کامیابی جو انسان کو ہمیشہ کی سعادت عطا کردے۔

اگرچہ حوضِ کوثر رحمت اور نعمت ہے، لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں وہاں سے ہٹا دیا جائے گا۔ یہ سب سے بڑی محرومی اور رسوائی ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اپنے حوضِ کوثر پر تم سے پہلے موجود رہوں گا۔ جو شخص بھی میری طرف سے گزرے گا وہ اس کا پانی پیئے گا اور جو اس کا پانی پیئے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہیں ہوگا اور وہاں کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جنہیں میں پہچانوں گا اور وہ مجھے پہچانیں گے لیکن پھر انہیں میرے سامنے سے ہٹا دیا جائے گا۔ (صحیح بخاری، ۶۵۸۳)

ایک اور روایت میں ہے،

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن میرے صحابہ میں سے ایک جماعت مجھ پر پیش کی جائے گی۔ پھر وہ حوض سے دور کر دیئے جائیں گے۔ میں عرض کروں گا، اے میرے رب! یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا نئی چیزیں (بدعتیں) گھڑ لی تھیں۔ یہ لوگ (دین سے) الٹے قدموں (تکبر کی وجہ) واپس لوٹ گئے تھے۔ (صحیح بخاری ۶۵۸۵)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، (قیامت کے دن) میں حوض کوثر پر رہوں گا اور اپنے پاس آنے والوں کا انتظار کرتا رہوں گا پھر (حوض کوثر) پر کچھ لوگوں کو مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ یہ تو میری امت کے لوگ ہیں۔ جواب ملے گا کہ آپ کو معلوم نہیں یہ لوگ الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔ ابن ابی ملیکہ اس حدیث کو روایت کرتے وقت دعا کرتے، **اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ أَنْ نَرْجِعَ عَلَى أَعْقَابِنَا أَوْ نُفْتَنَ، آمین** (اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں کہ ہم الٹے پاؤں پھر جائیں یا فتنہ میں پڑ جائیں، آمین)۔ (صحیح بخاری ۷۰۴۸)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ (آپ حوض کوثر پر فرمائیں گے) یہ لوگ مجھ میں سے ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے اس وقت کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا تبدیلیاں (دین میں) کر دی تھیں؟ میں کہوں گا کہ دوری ہو، دوری ہو ان کے لیے جنہوں نے میرے بعد دین میں تبدیلیاں کر دی تھیں۔ (صحیح بخاری ۷۰۵۰)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں تحریف، بدعات، منافقت، ظلم، گناہوں پر اصرار اور سنتِ نبوی ﷺ سے دوری انسان کو اس عظیم نعمت سے محروم کر دیگی۔



ایک سچے مسلمان کے دل میں یہ شدید خواہش ہونی چاہیے کہ قیامت کے دن اس کو حوضِ کوثر پر حاضری نصیب ہو اور نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک سے سیرابی کا اعزاز حاصل ہو۔ اس مقصد کی سعادت حاصل کرنے کے لیے خاص طور پر بدعت سے اجتناب، اپنے ایمان کی حفاظت، اعمال کی اصلاح، اور اتباعِ سنت ضروری ہے۔ جو لوگ اﷲ اور رسول ﷺ کے وفادار ہوں گے، وہ اس نعمت سے سرفراز ہوں گے، جبکہ دین میں تبدیلی، تحریف یا ترمیم کرنے والے محروم رہ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان خوش نصیب لوگوں میں شامل فرمائے جو حوضِ کوثر تک پہنچیں، اور ہمیں ہر اس عمل، بالخصوص بدعت سے بچائے جو ہمیں اس عظیم نعمت سے محروم کر دے۔ آمین۔

**اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ، وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ.**

اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی تابعداری نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچا

**آمین**